امام اہل سنت

جناب اختر راہی - ایم۔ اے

مولانا محمد عبد الشکور فاروقی لکھنوی رح

امام اہلِ سنّت مولانا محمد عبد الشکور فاروقی ماضی قریب کے ایک بلند پایہ عالم دین، صاحب نظر مورخ، بے مثال مناظر اور کامیاب مبلّغ تھے۔ اُن کی علمی و فکری اور تعلیمی و تبلیغی خدمات کے پیش نظر یہ ضروری تھا کہ ان کی جامع سوانح عمری لکھی جاتی لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علم و ادب کے وسیع ذخیرہ میں اُن کے بارے میں چند تعزیتی تحریروں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

موصوف کی تحریری بدر شعور میں پڑھنے کا اتفاق ہوا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کے تفقہ اور علم و نظر کا اثر گہرا ہوتا چلا گیا۔ ایک عرصہ سے ان کے رسالہ "النجم" کی تلاش میں ہوں جس کے حصول میں تاحال کامیابی نہیں ہوتی۔ چند جستہ جستہ شمارے دستیاب ہوئے ہیں۔ جن سے مولانا مرحوم کی سیرت و سوانح اور علم و فکر پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

<u>ابتدائی زندگی</u> : مولانا محمد عبد الشکور فاروقی بن ناظر علی بن فضل علی۔ یو۔پی (بھارت) کے مردم خیز قصبہ کاکوری میں ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ / ۱۰ جنوری ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی حافظ ناظر علی صوفی منش بزرگ تھے اور مولوی حافظ عبد السلام ہسویؒ (م ۱۲۹۹ھ) کے مرید و خلیفہ تھے۔ ضیاالحسن علوی کی روایت کے مطابق "حافظ ناظر علی کی باطینت اور مراتب کی ادنیٰ تفصیل یہ ہے کہ حضرت سیدنا شاہ ابوالخیر دہلوی کو کہتے سنا ہے کہ ارے میاں! انہوں نے حضرت جبریل کی بھی زیارت کی ہے"[۲]

مولانا مرحوم نے ابتدائی تعلیم اور فارسی درسیات کی تحصیل مولوی عبد الوہاب ہسوی اور مولوی مظہر حسین کورٹلا جہاں آبادی سے کی۔ اس کے بعد "نور الانوار" تک درسِ نظامی کی کتابیں ہسوہ میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ فتح پور میں اُن کے والد تحصیلدار تھے وہاں کے دورانِ قیام میں مولانا نور محمد فتح پوری سے استفادہ کیا۔[۳]

آخر میں مولانا عین القضاۃ لکھنوی (م ۴ رجب ۱۳۴۳ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ زمانۂ تعلیم کی یادیں خود مولانا فاروقی نے ان الفاظ میں تازہ کی ہیں :۔

"یہ فقیر ۱۳۰۹ھ میں وارد لکھنؤ ہوا۔ اُس وقت حضرت (مولانا عین القضاۃ) مرحوم نے پڑھانے کا سلسلہ بہت کم بلکہ قریب قریب ختم کر دیا تھا۔ اور فرماتے تھے کہ دماغ بھی بہت ضعیف ہو گیا ہے اور طلبہ کی حالت دیکھ کر نہ مطالعہ میں محنت کرتے ہیں، نہ سمجھنے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پڑھانے کو دل بھی نہیں چاہتا۔ اس جواب نے مایوس تو بہت کیا مگر میں نے حاضری کا سلسلہ قائم رکھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد فرمایا کہ ایک صاحب نے علم الفرائض شروع کی ہے۔ اگر آپ کا جی چاہے تو شریک ہو جائیے۔ چنانچہ میں نے اس میں شرکت کی۔ دوسرے ہی دن جب آپ نے دیکھا کہ وہ صاحب جو اصل کتاب پڑھنے والے تھے۔ سبق یاد کرنے میں مجھ سے پیچھے رہ گئے، تو میری طرف نظرِ عنایت مبذول ہوتی چلی گئی یوماً فیوماً بڑھتی گئی۔ حسب ذیل کتب جناب مرحوم سے میں نے پڑھیں۔

علم الفرائض، اقلیدس، میبذی، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال، میر زاہد شرح مواقف، تحقیقات مرضیہ، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، مسلم الثبوت، خیالی مع حاشیہ سیالکوٹی، شرح چغمینی، بست باب اصطرلاب، شرح نخبۃ الفکر، مشکوٰۃ بخاری، ترمذی۔ سوا ترمذی اور شمس بازغہ کے سب کتب میں اوّل سے آخر تک میری ہی قرأت تھی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ جو طالب علم عبارت غلط پڑھتے تھے۔ صرف و نحو میں ان کی استعداد اچھی نہ ہوتی تھی۔ اُن کو قرأت کی اجازت نہ دیتے تھے .... میں اس زمانہ میں محلہ رانی کٹرہ میں مقیم تھا..... ۱۳۱۷ھ میں کتبِ درسیہ میری ختم ہوئیں[۵]۔"

تدریس | مولانا محمد عبدالشکور فاروقی نے دورانِ طالب علمی میں تدریس شروع کر دی تھی۔ خود اونچی کتابیں پڑھتے اور مبتدیوں کو ابتدائی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ جس زمانہ میں مولانا عین القضاۃ سے پڑھ رہے تھے انہوں نے کچھ طلبہ کے اسباق اُن کے حوالے کئے ہوئے تھے۔ فارغ التحصیل ہوئے تو کچھ عرصہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا ندوہ سے پندرہ روپے ماہانہ پاتے تھے[۶]۔ پھر دہلی چلے گئے اور میرزا حیرت دہلوی (م ۴ مئی ۱۹۲۸ء/ ۱۴ ذی نعدہ ۱۳۴۶ھ) کے ساتھ بحیثیت مترجم و مصنف کام کیا۔ دہلی سے واپس لکھنؤ آئے اور مولانا عین القضاۃ کے بنا کردہ مدرسہ فرقانیہ میں تدریس شروع کی اور ۱۳۳۴ھ تک فرائضِ تدریس ادا کئے۔ مولانا کچھ عرصہ مدرسہ اسلامیہ چلہ امروہہ میں بھی مدرس رہے تھے۔

طبابت | مولانا فنِ طب کے فاضل تھے۔ اس فن میں انہوں نے حکیم عبدالولی سے استفادہ کیا تھا شروع میں کچھ عرصہ مطب کرتے رہے تھے۔ لیکن بعد میں اس سے کنارہ کش ہو کر خالص علمی اور دینی کاموں میں مشغول ہو گئے۔

بیعت | مولانا مرحوم سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا شاہ ابو احمد مجددی بھوپالیؒ (م ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ) سے بیعت تھے۔ دخل بیعت ہونے کا واقعہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

"اس خاکسار کے داخلِ سلسلہ ہونے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ ایک غیبی سامان پیش آیا کہ میں ناچار حضرت ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھتے ہی بڑے ہی لطف و کرم سے فرمایا کہ آپ کے آنے کے لئے میں دعائیں مانگا کرتا تھا اور غایت لطف و کرم کے ساتھ یہ شعر زبانِ مبارک سے ادا فرمایا ؎

وصل کی مانی ہیں کیا کیا منتّیں ! چھلّے درگاہوں میں بندھوانے ہیں ہم

شب کو بعد نمازِ عشاء اپنے پاس اس گناہ گار کا بستر بھی بچھوایا اور اس وقت اس ناچیز کو سنا کر مگر دوسروں سے مخاطب ہو کر کئی بار یہ شعر پڑھا ؎

ہم نہ ہوں گے تو پھر پچھتائیے گا مفت تیرے ہاتھ سے جاتے ہیں ہم

اس ناچیز نے سمجھ لیا کہ مقصود میں ہوں۔ زہے قسمت مگر پھر بھی بمقتضائے احتیاط نمازِ استخارہ پڑھی۔ دل کو حضرت ممدوح کی طرف مائل پا کر نماز فجر سے پہلے عرض کیا کہ حضرت مجھے بھی داخلِ طریقہ کر لیجئے اور دلربا تبسّم کے ساتھ فرمایا کہ بہت اچھا! نمازِ فجر پڑھ لیجئے۔"

چنانچہ داخلِ طریقۂ نقشبندیہ ہوئے۔

پنجاب کا تبلیغی سفر | مولانا مرحوم نے رنگوں سے پنجاب تک بیسیوں تبلیغی سفر کئے اور ان کا ہر تبلیغی سفر اپنے نتائج کے اعتبار سے کامیاب ثابت ہوا۔ شوال ۱۳۴۵ھ / مئی ۱۹۲۷ء میں وہ انجمن خدام الدین لاہور کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ جلسہ میں ان کی دو تقریریں ہوئیں۔ موضوع حضرات شیخینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ کے باہمی تعلقات تھا۔

مولانا مرحوم کی آمد کی اطلاع دور دور تک پھیل چکی تھی۔ چنانچہ قادیان سے چند افراد انہیں اپنے شہر لے جانے کے لئے حاضر ہوئے۔ مولانا نے قادیان کا سفر کیا اور مرزا آنجہانی کے مولد میں خانہ ساز نبوّت کے بخئے ادھیڑے۔ اُن کی تقریر سے متاثر ہو کر چھ افراد نے قادیانیت سے توبہ کی اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ قادیان سے واپس بھیرہ اور سیال شریف آئے۔ مولانا کے تمام سفروں کا احاطہ مفصّل سوانح حیات

ہی میں کیا جا سکتا ہے۔

دار المبلغین لکھنؤ مولانا خود تو تبلیغی کام کر رہے تھے اور ان کے چند ساتھی بھی سرگرمِ کار تھے۔ تاہم تبلیغی مقاصد کے لئے علماء کو خصوصی تربیت دینے کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ۱۳۵۱ھ میں مولانا مرحوم نے "دار المبلغین" کے نام سے لکھنؤ میں ایک ادارہ قائم کیا۔ جہاں علمائے دین کو فرقِ باطلہ کا لٹریچر بطورِ خاص پڑھایا جاتا اور فرقِ باطلہ کی سرگرمیوں کو کچلنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ دار المبلغین سے سینکڑوں مبلغ تیار ہوئے جنہوں نے میدانِ عمل باطل فتنوں کی سرکوبی کی۔

قید و بند مولانا مرحوم کو اپنے مشن کی خاطر جیل بھی جانا پڑا۔ ۱۹۴۰ء کی تحریک مدحِ صحابہؓ میں انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ چنانچہ جیل بھیج دئے گئے۔ اسی قید کے زمانہ میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔

وفات مولانا مرحوم تقریباً اٹھاسی سال عمر پاکر، ۱۷ر ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ / ۲۳ر اپریل ۱۹۶۲ء کو مغرب سے کچھ پہلے لکھنؤ میں فوت ہوئے۔ ان کی رحلت پر دینی حلقوں میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ دینی رسائل نے تعزیتی شذرات لکھے۔ ذیل میں ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) کا شذرہ درج کیا جاتا ہے۔

"ہمارے پرانے نامور علماء ایک ایک کر کے اٹھتے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اُن کی آخری یادگار مولانا عبد الشکور صاحب نے بھی سفرِ آخرت اختیار کیا۔ مولانا کی ذات جامع کمالات اور اس دور میں سلف صالحین کا نمونہ تھی۔ علم و عمل اور دین و تقویٰ میں اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ تعلیم و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ، ارشاد و ہدایت ہر راہ میں ان کے نمایاں کارنامے ہیں۔ تقریباً نصف صدی تک ان کا فیض جاری رہا۔ اور ان کے ذریعہ بہتوں کو ہدایت حاصل ہوئی۔ ایک زمانہ میں پورے ہندوستان میں اُن کے کارناموں کی شہرت تھی مگر ادھر پچیس تیس سال سے انہوں نے خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور موتوا قبل ان تموتوا کی عملی تفسیر بن گئے تھے۔ اب ایسے علمائے ربّانی کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول اور ان کے مدارج کو بلند فرمائے[۹]"

علمی رسوخ مولانا محمد منظور نعمانی مدیر "الفرقان" (جنہیں مولانا مرحوم کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہے) اپنے تاثرات میں مولانا مرحوم کے علمی رسوخ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی حضرت مولانا کی شہرت مسلک اہلِ سنت کے ایک لائق وکیل اور کامیاب مناظر و متکلّم کی حیثیت سے رہی ہے۔ اور اس کام کے لئے بڑا واقعہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں کسی خاص درجہ کے رسوخِ علمی کی ضرورت نہیں رہی اس لئے جن لوگوں

کو مولانا کے قریب رہنے کا زیادہ اتفاق نہیں ہوا۔ ان کو غالباً بالکل اندازہ نہیں ہوگا کہ ممدوح صرف مناظر و مصنّف ہی نہیں بلکہ علمائے راسخین میں سے تھے۔ نامور اصحاب درس کی سی ٹھوس علمی استعداد اور اپنے دائرہ میں مطالعہ بہت وسیع تھا۔ اسی کے ساتھ قدرت نے حافظہ بے نظیر دیا تھا۔ راقم سطور نے اپنی عمر میں بہت کم حضرات ایسے قوی الحافظہ دیکھے ہیں۔ سلامتی فہم کے ساتھ ذہانت و ذکاوت سے بھی اللہ تعالیٰ نے حصّہ وافر عطا کیا تھا۔ ان سب چیزوں کے جمع ہوجانے کی وجہ سے خالص علمی حیثیت سے بھی مولانا کا مقام بہت بلند تھا۔"

تصانیف مولانا محمد عبدالشکور نے تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ بھرپور علمی کام کیا ان کے متعدد مناظرے چھپے ہیں۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل تالیفات ان کے رشحات قلم میں سے ہیں:۔

ترجمہ و تفسیر قرآن ۱۔ ترجمہ قرآن مجید ۲۔ تفسیر آیات مختلفہ، آیت تطہیر، آیت طالوت، آیت اولوالامر، آیت مباہلہ، آیت استخلاف اور آیت استخلاف فی الارض وغیرہ، ۲۲ متفرق آیات کی تفسیر ہے۔ تفسیر آیات ان کے تدبّر فی القرآن کی زندہ اور باقی رہنے والی شہادت ہے۔

سیرت و تاریخ ۳۔ تحفۂ عنبریہ (مختصر سیرت نبویہ) ۴۔ ترجمہ شمائل نبوی ۵۔ سیرت خلفائے راشدین۔ ۶۔ ترجمہ تاریخ طبری (حصّہ اوّل) ۷۔ ترجمہ اُسد الغابہ فی معرفت الصحابہؓ (دس جلدیں) ۸۔ ترجمہ ازالۃ الخفاعن خلافت الخلفاء (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) تا آخر مقصد اوّل۔ ۹۔ غزوات النبی۔

فقہ ۱۰۔ علم الفقہ (۷ جلدیں) ۱۱۔ وصاف ترجمہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (شاہ ولی اللہ دہلویؒ)

تردید رفض و بدعت ۱۲۔ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی)

۱۳ النصرت الغیبیہ علی الفرقۃ الشیعیہ۔ ۱۴۔ مناظر (۱۹۲۶ء) ۱۵۔ قاتلان حسین کی خانہ تلاشی۔

۱۶۔ تکملہ تنبیہ الحائرین موسوم بہ تفضیح الجائرین ۱۷۔ حضرت علیؓ کی مقدس تعلیمات۔

متفرقات ۱۸۔ تدبیر و تقدیر ۱۹۔ اسلام۔ میرا مذہب، موسوم بہ تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام۔

النجم مولانا مرحوم نے ۱۳۲۳ھ میں یہ دینی مجلّہ جاری کیا تھا۔ اس کے مقاصد میں سرفہرست رفض و بدعت کا محاکمہ تھا۔ معاصر دینی صحافت میں "النجم" اپنی مثال آپ تھا۔ اخبارات اور رسائل نے اس کے بارے میں پُرزور تبصرے لکھے اور اہل سنّت کو اسکی سرپرستی پہ آمادہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے آرگن "القاسم" نے مدیر "النجم" کی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد "النجم" کے بارے

میں لکھا تھا :

"ہم افرادِ قوم سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مجلّہ کی توسیعِ اشاعت میں ہر ممکن سعی سے دریغ نہ فرمائیں[11]"

معارف (اعظم گڑھ) نے لکھا : "یہ مذہبی رسالہ ... اپنے رنگ میں لاجواب ہے[12]"

مولانا عبدالحلیم شررؔ مدیرِ "دلگداز" نے بھی اپنے قارئین کو "النجم" کی سرپرستی کے لئے آمادہ کیا اور اسے ایک اچھا رسالہ قرار دیا۔ "النجم" ابتداء میں ہفت روزہ تھا بعد میں پندرہ روزہ ہوگیا، مالی وسائل کی کمی کے باعث بند بھی ہوتا رہا تاہم ایک عرصہ دینی خدمات انجام دے کر روشنی پھیلاتا رہا۔ "النجم" کے صفحات پر سینکڑوں بلند پایہ مضامین پھیلے ہوئے ہیں۔ کاش! ہمارے اشاعتی ادارے ان کی ترتیب و تدوین کراتے اور انہیں اہلِ ذوق تک پہنچاتے۔

حواشی

١ سیّد عبدالسلام حسینی واسطی بن مولانا سیّد ابوالقاسم ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے انہوں نے ابتدائی درسیات کی تحصیل مولانا سیّد سراج الدین سے کی پھر لکھنؤ میں مولانا معین الدین کڑوی، ملّا معین فرزند ملا مبین لکھنوی اور دوسرے علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔ حدیث و تفسیر کا درس شاہ عبدالغنی مجدّدی سے لیا اور شاہ ابوسعید مجدّدی سے بیعت ہوئے، ان ہی سے اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ ۴ر شوال ۱۲۹۹ھ/۲۰ر اگست ۱۸۸۲ء کو وفات پائی۔ (ملخص از حیاتِ عبدالحیٔ ص ۳۹-۴۱)

٢ ہفت روزہ چٹان۔ لاہور، شمارہ ۴ر فروری ۱۹۶۲ء، مضمون "یادِ ایام"۔

٣ نزہت الخواطر ج ۸، ص ۲۵۳

٤ مولانا سیّد محمد معین القضاۃ بن سیّد محمد وزیر حیدرآباد دکن کے رہنے والے تھے، کم سنی میں والد ماجد کے ہمراہ لکھنؤ آئے اور یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کے شاگرد تھے اور بلند پایہ عالمِ دین اور مدرس تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت موسیٰ جی ترکیسری سے بیعت تھے۔ ۳ر رجب ۱۳۴۳ھ کو وفات پائی۔

٥ النجم لکھنؤ۔ جلد ۲ شمارہ ۱۱ ص ۳-۴

٦ چٹان۔ لاہور۔ حوالہ سابق۔

٧ ابواحمد بن خطیب احمد بن شاہ رؤف احمد مجدّدی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالغنی مجدّدی سے مدینہ منورہ میں بیعت ہوئے۔ اتباعِ سنّت کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنا زیادہ وقت ریاضت و عبادت میں صرف کرتے تھے۔ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ کو وفات پائی۔ شاہ محمد یعقوب مجدّدی اُن کے خلف الصدق تھے۔

٨ النجم لکھنؤ جلد ۲، شمارہ ۷

٩ ماہنامہ "معارف" (اعظم گڑھ) جلد ۹،۸، شمارہ ۵

١٠ ماہنامہ الفرقان۔ لکھنؤ۔ جلد ۲۹ شمارہ ۱۱ ص ۴۲-۴۳

١١ ماہنامہ القاسم۔ دیوبند۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ بحوالہ النجم جلد ۴، شمارہ ۱۷

١٢ النجم۔ لکھنؤ۔ جلد ۴، شمارہ ۱۷۔